9- پیغام

علامہ محمد اقبالؒ (۱۸۷۷ء-۱۹۳۸ء)

خلاصہ: (فیصل آباد 2010، گوجرانوالہ 2010، لاہور 2009,10، سرگودھا 12، راولپنڈی 2013ء)

اقبالؒ کہتے ہیں کہ مسلمان کے لیے لازم ہے کہ اپنی حقیقت واصلیت سے آگاہ ہو اور یہ جان لے کہ کائنات کی تمام اشیا کو اسی کی بدولت دوام ہے۔ وہ ایک ایسا دہقاں ہے جو بیج کھیتی، برسات اور فصل سب کچھ خود ہی ہے۔ وہ ایسا مسافر ہے کہ جس کے اپنے وجود میں منزل، راستہ و راہنما پنہاں ہے۔ ایک ایسا مجنوں ہے جس کے اندر لیلیٰ، محمل و صحرا مخفی ہیں۔ ایسا مے کش ہے جو خود ساقی، مینا، مے اور محفل ہے۔ چناں چہ مسلمان کو چاہیے کہ سیلِ ہمہ گیر کی مانند باطل کو خس و خاشاک کی طرح نیست و نابود کر دے کیوں کہ وہ اللہ کا آخری پیغام ہونے کی حیثیت سے ابدی اور لافانی ہے۔

اشعار کی تشریح

(1) آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقاں! ذرا   دانہ تو، کھیتی بھی تو، باراں بھی تو، حاصل بھی تو

حل لغت: آشنا: واقف، آگاہ، جاننے والا   حقیقت: اصلیت

دہقان: کسان مراد مسلمان   دانہ: بیج   باراں: بارش   حاصل: فصل، نتیجہ، کھیت سے حاصل ہونے والا اناج

مفہوم: اے دہقاں اپنی اصلیت سے واقف ہو کہ بیج کھیتی، بارش اور فصل تو ہی ہے۔

تشریح:

یہ نظم علامہ محمد اقبال کی بانگِ درا میں شامل ایک طویل نظم شمع اور شاعر کا ایک بند ہے۔ اس نظم میں علامہ محمد اقبالؒ نے عمل کو قاضی الحاجات قرار دیا ہے۔ یہ نظم 16 - اپریل 1912ء میں لکھی گئی اس وقت مسلمانوں کی حالت نہایت ابتر ہو چکی تھی۔ سلطنتِ عثمانیہ کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ تھا۔ مصر پر فرانس نے استعماری قبضہ کیا ہوا تھا اور طرابلس پر اٹلی نے حملہ کر دیا تھا۔ لیکن اس تمام حقیقت سے بھی دردناک امر یہ تھا کہ قطع نظر اُن کوتاہیوں کے جن کی وجہ سے یہ تمام سانحے وقوع پذیر ہوئے مسلمانوں کو چاہیے تھا کہ وہ پھر سے محنت و جدوجہد کرتے۔ لیکن مسلمانوں کی اکثریت ہاتھ پر ہاتھ دھرے مایوسی اور ناامیدی کے عالم میں غلامیٔ مغرب کو تقدیر کا لکھا سمجھ بیٹھی تھی۔ چناں چہ اقبال جیسے انقلابی شاعر نے ان حالات میں اصلاحِ قوم کی ذمہ داری سنبھالی اور سب سے زیادہ زور عمل پر دیا۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی   یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

تشریح طلب شعر میں مسلمانوں کے لیے دہقاں کا استعارہ استعمال کیا ہے۔ وجہ استعارہ دونوں میں تعلقِ تشبیہ ہے۔ کیوں کہ کسی بھی ملک کے لوگ خوراک کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے اور اجناس و خوراک کا تعلق زراعت سے ہے اور زراعت کا تعلق کسانوں (دہقانوں) سے ہوتا ہے۔ اگر کسی ملک کے دہقان کام چور ہو جائیں تو قحط اور پھر زوالِ قوم جیسے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ یہی حال مسلمانوں کا ہے۔ دنیا میں مسلمانوں کی وہی اہمیت ہے جو کسان کی زرعی ملک میں۔ اس کے علاوہ مسلمان اور کسان دونوں میں کچھ خوبیاں بھی مشترک ہیں، کسان سادہ مزاج اور سادہ دل ہوتا ہے، ریاکاری اور تصنع سے گریز کرتا ہے۔ صبر و تحمل سے مشکلات کا مقابلہ کرتا ہے، لالچ و طمع کا شکار نہیں ہوتا، بعینہٖ یہی صفات مردِ مومن میں پائی جاتی ہیں۔ اسی لیے اقبال نے دہقان کے پردے

میں مسلمان کو خطاب کیا ہے۔ چناں چہ اقبالؒ مسلمان سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے دہقاں ذرا تو اپنی اہمیت اور حیثیت سے تو آگاہی حاصل کر۔ یہ آگاہی ان صفات، خوبیوں اور صلاحیتوں کی ہے جو اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو عطا کی ہیں۔ یہ ایسی صلاحیتیں اور صفات ہیں جن کو بروئے کار لا کر مسلمان دنیا میں ترقی کر سکتا ہے۔ گویا مسلمانوں کو ان کی اصلیت کے عرفان کا درس دیا ہے کہ پہلے خود تو اپنی آنکھوں پر آشکارا ہو۔ بقولِ اقبالؒ:

تو رازِ کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا رازداں ہو جا خدا کا ترجماں ہو جا

مسلمانوں کو وہ اس کی اہمیت سے آگاہی کا درس دے رہے ہیں کہ تم تو وہ لوگ ہو جنھیں اللہ نے زمین پر پُرامن حکومت کے لیے منتخب کیا ہے۔ جنھیں زمین پر اللہ تعالیٰ نے اپنا نائب مقرر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمھیں دولت ایمانی سے نوازا اور چاند تارے تمھارے لیے مسخر کر دیے۔ تمھیں اپنی طاقت، زورِ بازو اور حسن عمل سے کام لینا چاہیے اور حقائق سے پردے چاک کرنے چاہییں۔ بقول علامہ محمد اقبالؒ:

اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل! کہ تو
قطرہ ہے، لیکن مثالِ بحرِ بے پایاں بھی ہے

مزید برآں مسلمانوں کو خودی کے حصول کے لیے تگ و دو کرنی چاہیے کہ خودی سے شناسا مسلمان ہی خدا سے شناسائی حاصل کر سکتا ہے۔ اسی لیے ایک شاعر نے کہا:

خودی میں گم ہے خدائی تلاش کر غافل
یہی ہے تیرے لیے اب اصلاح کار کی راہ

دوسرے مصرعے میں اقبال دہقاں (مسلمان) سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ خاک میں ملنے والا بیج بھی تو ہے اور زمین جس میں بیج بویا جاتا ہے وہ بھی تو ہے اور بارش کا پانی جو کہ فصلوں کو تروتازگی اور نشوونما دیتا ہے وہ بھی تو ہی ہے اس تمام تگ و دو کے بعد جو اناج یا فصل حاصل ہوتی ہے وہ بھی تو ہی ہے۔ یعنی اے مسلمان تو کامل شخصیت ہے۔ خدا نے تمام اوصاف تیرے اندر جمع کیے ہیں۔ اس کائنات کی چہل پہل اور رونق کا باعث ہے۔ مسلمان کی حیثیت ہی اوّل ہے جو کہ اوصافِ کل کی جمعیت ہے۔

بقولِ شاعر:

مسلماں کی عظمت تو دیکھو ذرا
یہ منبع ہے سارے کمالات کا

(2) **آہ کس کی جستجو آوارہ رکھتی ہے تجھے**
راہ تو، راہرو بھی تو، رہبر بھی تو، منزل بھی تو

(ملتان 2007، بہاول پور 2012ء)

حلِ لغت: آہ: افسوس جستجو: تلاش راہ: راستہ راہرو: مسافر
رہبر: رہنما، راستہ دکھانے والا منزل: مقام آوارہ: بے قرار، سرگرداں

مفہوم: اے مسلماں تجھے کس چیز کی تلاش نے سرگرداں و پریشاں کر رکھا ہے۔ حالاں کہ راستہ، مسافر، رہنما و مقام سب تو ہی ہے۔

تشریح: 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں کی معاشی، سیاسی، سماجی، مذہبی و تعلیمی حالت نہایت ابتر ہو گئی اور ان کے لیے اپنے وجود کو برقرار رکھنا محال ہو گیا تھا۔ انگریزوں نے برصغیر میں اپنی تہذیب اور معاشرت متعارف کروائی اور یہاں کی تمام روایات اور اقدار کو پامال کر دیا۔ مسلمانوں نے بھی انگریزوں کی اندھی تقلید شروع کر دی۔ چناں چہ مسلمانوں نے انگریزوں کا طرزِ رہن سہن اپنانا شروع کر دیا اور اپنی مذہبی روایات سے دور ہوتے چلے گئے۔ ہندوؤں اور انگریزوں کے باطل طریقوں میں پناہ ڈھونڈنا شروع کر دی۔ مسلمانوں کی فکری و نظری حالت بھی روز بروز روبہ زوال تھی۔ گویا مسلمانوں نے مغربی تہذیب کی

اندھی تقلید شروع کر دی اور اسلامی روایات کی جگہ ہندوانہ رسوم کو اہمیت دینے لگے۔ مسلمانوں کی اس حالت پر چوٹ کرتے ہوئے اقبالؒ کہتے ہیں۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ، تمدن میں ہنود — یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود

چناں چہ علامہ محمد اقبالؒ کہتے ہیں اے مسلماں کس چیز کی تلاش میں بھٹک رہا ہے۔ کس تلاش میں تو سرگرداں ہے؟ کس جستجو میں تو بے چین ہے؟ کس کی تمنا نے تجھے بے قرار کر رکھا ہے؟ کیوں تو کبھی فرنگیوں کے در پر دستک دیتا ہے اور کبھی ہندوؤں کے سامنے کشکول اٹھاتا ہے؟ کیوں تیری غیرت آج سو گئی؟ کیوں تو منزل کی جستجو میں ادھر اُدھر بھٹک رہا ہے؟ تمھارے پاس تو اسلام کی صورت میں ایک ہمہ گیر اور عالمگیر ضابطہ موجود ہے۔ راہ بھی تجھے معلوم ہے کہ تمھاری راہ اسلام ہے۔ سنت نبوی ﷺ ہے۔ تو خود اسی راہِ اسلام کا مسافر ہے۔ کائنات کی سب سے عظیم راہ پر خدا نے تجھے گامزن کیا ہے پھر تو ان کچی پگڈنڈیوں پر جو منزل سے پرے اندھے کنوؤں میں جائیں گی کیوں اختیار کرتا ہے۔ اور رہبر بھی تمھارے پاس موجود ہے۔ سنتِ نبوی ﷺ اور قرآن مجید ہی تمھارے راہنما ہیں۔ جو ہر چیز کے متعلق تمھیں آگاہ کر سکتے ہیں۔ تمھیں اغیار سے طلبِ ضیا ترک کرنا ہوگی اور خود مشعل تھامے راہ تلاش کرنی ہوگی۔ بقول شاعر:

تو اے مسافر شب خود چراغ بن اپنا — کر اپنی رات کو داغِ جگر سے نورانی

اس راہ پر چلنے سے ہی تو منزل پا سکتا ہے۔ منزل بھی تیرے ہی اندر پوشیدہ ہے یعنی تیرے اندر حصول منزل کی بھی صلاحیتیں موجود ہیں اور جب تو صراط مستقیم پر چلے گا تو ارتقائے دنیاوی اور اخروی کامرانی دونوں نصیب ہوں گے۔ تو صراط مستقیم کا راہی ہے۔ اس راستے پر گامزن ہو اور جو (غیر مسلم) اس راہ سے ناواقف ہیں اُنھیں اس راہ کے بارے میں بتا یہ تیری ذمہ داری ہے

(3) **کانپتا ہے دل ترا، اندیشۂ طوفاں سے کیا — ناخدا تو، بحر تو، کشتی بھی تو، ساحل بھی تو**

(ملتان 2007ء، بہاولپور 2012ء)

حل لغت: کانپنا: خوف کھانا — اندیشہ: خوف، ڈر — ناخدا: ملاح — بحر: سمندر — ساحل: کنارا

مفہوم: تو طوفاں سے کیوں خوف کھاتا ہے کہ ملاح، سمندر، کشتی اور کنارا تو ہی تو ہے۔

تشریح:

علامہ اقبال زیر تشریح شعر میں مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ تمھارا قلب اندیشۂ طوفاں سے کیوں لرزاں ہے۔ اندیشہ ایک ایسے خوف کو کہتے ہیں جو مستقبل میں متوقع ہو۔ تاہم یہ لازمی نہیں کہ صحیح ہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کو کیا اندیشہ لاحق تھا۔ دراصل مسلمانوں کے علاقوں مثلاً مراکش، الجزائر، تیونس، مالٹا، مصر، سوڈان، عراق، عرب، ایران، خراسان، قفقاز، یمن، اومان، ہندوستان، ملائشیا، ترکستان، قازقستان، ازبکستان، ترکمانستان وغیرہ پر عیسائی قابض ہو چکے تھے۔ صرف تین چار مسلم ممالک آزاد تھے۔ ایسے میں مسلمان قطعی طور پر مایوس ہو چکے تھے۔ آئے روز عیسائیوں کے مظالم حدود پار کر رہے تھے۔ ایسے میں مسلمانوں کو اندیشہ لاحق ہو رہا تھا کہ پتا نہیں مستقبل قریب میں اُن کا کیا بنے گا اور ہو سکتا ہے کہ وہ صفحۂ ہستی سے نابود ہو جائیں۔ مسلمان مشکلات و مصائب سے خوف زدہ تھے۔ دراصل مسلمانوں نے اپنے مقام کو بھلا دیا تھا۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بے شمار صلاحیتیں عطا کی ہیں۔ کائنات کو ان کے ہاتھ میں مسخر کر دیا ہے:

ہزار چشمہ ترے سنگِ راہ سے پھوٹے — خودی میں ڈوب کے ضربِ کلیم پیدا کر

علامہ اقبال کہتے ہیں کہ کشتی کا ملاح بھی تو ہے یعنی تیری تقدیر اپنے ہی ہاتھ میں ہے۔ جدھر چاہے اپنی تقدیر کا رُخ موڑ

سکتا ہے۔ سمندر بھی تو ہے اور ساحل بھی تو ہی ہے۔ طوفان سے تو اُسے خوف کھانا چاہیے جس کے ہاتھ میں اپنی تقدیر نہ ہو۔ جو تقدیر بدلنے پر قادر نہ ہو۔ لیکن یہاں تو معاملہ برعکس ہے۔ اے مسلمان تو اپنی تقدیر بدل سکتا ہے۔ آج جو زوال کا سامنا ہے یہ بھی تمھارا خود ساختہ ہے۔ اگر آج پھر تم اپنی اصلیت سے آشنا ہو کر، باطل کا خوف دل سے نکال کر باطل کے سامنے صف آراء ہو جاؤ تو تمھاری ناؤ پھر عروج کی طرف رواں دواں ہوگی۔ لہٰذا اقبالؒ کہتے ہیں مشکلات سے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ انگریزوں سے ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہندوؤں کی کثرت سے اندیشہ کی ضرورت نہیں۔ ضرورت ہے بس عمل کی، زور بازو کی، جہاد کی قرآن وسنت کو تھامنے کی، بے خوفی کی، خود آشنائی کی اور پھر بس کایا پلٹ جائے گی۔

کہتا ہے زمانے سے یہ درویش جواں مرد
جاتا ہے جدھر بندۂ حق، تو بھی ادھر جا

(4) قیس تو، لیلیٰ بھی تو، صحرا بھی تو، محمل بھی تو
دیکھ آ کر کوچہ چاکِ گریباں میں کبھی

حل لغت: کوچہ: گلی چاک گریباں: پھٹا ہوا دامن، پھٹا ہوا گریبان
محمل: کجاوہ، اونٹ پر بیٹھنے کے لیے رکھی ہوئی ڈولی/ کجاوہ

مفہوم: اپنے پھٹے ہوئے گریبان میں ذرا جھانک کر دیکھ تو معلوم ہوگا کہ قیس، لیلیٰ، صحرا و محمل سب کچھ تو ہی ہے۔

تشریح:

زیر تشریح شعر میں علامہ محمد اقبالؒ ایک بار پھر مسلمانوں کو ترغیب دے رہے ہیں کہ اپنی ذات میں غور وفکر کرو۔ ذرا اپنے دامن میں جھانک کر دیکھ تو تجھے معلوم ہوگا کہ مجنوں (قیس) بھی تو ہے۔ مجنوں کی محبوبہ (لیلیٰ) بھی تو ہے، اور صحرا و کجاوہ بھی تو ہے۔ اے مسلمان تجھے اپنے مقاصد سے لگاؤ اور اپنے افکار و نظریات سے وابستگی خام ہے۔ عشقِ حقیقی ابھی تیرے اندر بہت ناپختہ ہے۔ اقبال نے اس فلسفۂ عشق کو بہت اہمیت دی ہے۔ یہ وہی عشق ہے جس نے حضرت ابراہیمؑ کو آتش میں جا بٹھایا۔ حضرت حسینؓ نے جس عشق کی خاطر سر قلم کرایا۔ جس عشق کی خاطر بڑے بڑے بزرگوں نے قربانیاں دیں۔ اقبال کے نزدیک اس فلسفۂ عشق کی اتنی اہمیت ہے کہ:

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو تو مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق

بصورتِ دیگر اگر مسلمان عشقِ حقیقی سے عاری ہے تو وہ مردہ ہے۔ بقولِ اقبالؒ:

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

اقبال نے نوجوان مسلم کو تدبّر کی دعوت دی ہے کیوں کہ سوچ و بچار کرنے سے آدمی کسی نہ کسی نتیجے پر پہنچتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ غور وفکر کرنے پر تجھے معلوم ہوگا کہ تو مجنوں ہے اور تجھے جس ذات سے عشق کرنا ہے وہ بھی تیرے اندر پوشیدہ ہے۔ کیوں کہ خدا قلب مومن کا مکین ہے گویا محمل بھی تو ہے اور اگر اپنے آپ سے محبت کرے گا تو یقیناً خود آشنائی حاصل کر سکے گا اس طرح "لیلیٰ" بھی اے مسلمان تو ہی ہے۔ اقبالؒ اس شعر میں دیوانگی، سچی لگن اور عشقِ حقیقی کو مومن کا طرۂ امتیاز قرار دے رہے ہیں۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ ابھی تمھاری لگن اور عشق مکمل نہیں۔ تمھیں یہ چیزیں بڑھانا ہوں گی۔ غور وفکر کر کے نئی نئی منازل طے کرنی ہوں گی، نئی نئی ایجادات کرنا ہوں گی، نئی نئی اختراعات کو جنم دینا ہوگا تاکہ تمھاری عظمت کا پھر سے سکہ بیٹھ سکے اور وہ ایام پھر سے لوٹ آئیں جب دنیا میں مسلمانوں کا سکہ چلتا تھا۔

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ، نئے صبح و شام پیدا کر

(5) وائے نادانی! کہ تو محتاج ساقی ہوگیا ے بھی تو، مینا بھی تو، ساقی بھی تو محفل بھی تو

(بہاول پور 2006ء لاہور 2011ء سرگودھا 2012ء)

حلِ لغت: وائے: افسوس نادانی: کم عقلی، بے وقوفی محتاج: کسی دوسرے پر انحصار کرنے والا

ساقی: شراب پلانے والا ے: شراب مینا: صراحی / جام

مفہوم: افسوس اے مسلماں تو ساقی کا دست نگر ہوگیا ہے۔ حالاں کہ ے، مینا و ساقی و محفل تو ہی ہے۔

تشریح:

علامہ محمد اقبالؒ نے تشریح طلب شعر میں ایک اور دکھ بھری حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ شعر کے پہلے مصرعے میں ساقی سے مراد ''اہلِ مغرب'' اور غیر مسلم ہیں۔ علامہ اقبال کہتے ہیں کہ حیف صد حیف اے مسلمان تو آج ہر معاملے میں مغرب کا محتاج ہوگیا ہے۔ مالی امداد کا معاملہ ہو تو مسلمان آئی ایم ایف اور دی ورلڈ بنک کے سامنے دست درازی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ فکر و افکار جس میں انقلاب برپا ہو چکا ہے اور مغربی تحریکوں لبرلیٹی اور سیکولرازم کی آڑ میں اپنے دین کو خیر باد کہہ کر مغرب کے آنگن میں پناہ گزین ہو رہے ہیں۔ سائنسی ترقی کی بات ہو تو صد افسوس کی بات ہے کہ مسلمان اس خالصتاً اپنے آبائی شعبے میں آج مغرب سے بھیک مانگ رہے ہیں۔

ہمارے اجداد تو علم و سائنس میں یکتا تھے۔ آج اہلِ مغرب نے ہمارے کُتب خانے لوٹ کر ترقی کی ہے۔ لیکن مسلمانوں میں گزشتہ چار صدیوں سے سائنس زوال پذیر ہے۔ آج کیمسٹری، فزکس یا بائیولوجی کوئی کتاب اُٹھا کر دیکھ لیجیے مصنف انگریز ہوگا۔ اسی بات پر علامہ اقبالؒ افسردہ ہیں۔ کہتے ہیں کہ اے مسلمان! تیرے آباؤ اجداد کی حیثیت تو فانوس کی سی تھی جن سے ساری دنیا روشنی حاصل کر رہی تھی۔ بقول شاعر:

؎ تہذیب کی شمعیں روشن کیں اونٹوں کے چرانے والوں نے کانٹوں کو گلوں کی قسمت دی، ذروں کے مقدر چمکائے

دوسرے مصرعے میں ساقی سے مراد قرونِ اولیٰ کے ممتاز مسلم یا مردِ مومن ہے۔ ے سے مراد توحید و معرفت کی ے ہے۔ مینا (صراحی) سے مراد قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے پُر حکمت دماغ ہیں اور محفل سے مراد دنیا ہے۔ علامہ اقبالؒ کہتے ہیں کہ اے مسلماں اپنی حقیقت سے آشنا ہو تو تجھے معلوم ہوگا کہ ساقی بھی تو ہے کیوں کہ تیرے آباؤ اجداد قدیم زمانے میں سائنس، فن، علم و ہنر، فکر و افکار کے امام تھے۔ ے بھی تو ہے، سے مراد ہے کہ اے مسلماں تیرے پاس توحید کی اعلیٰ پائے کی الہامی امانت موجود ہے اور تجھے یہ طاقت دی گئی ہے کہ تو محفل (دنیا) کو یہ انوار تقسیم کرے اور محفل (دنیا) کو تیری سخت ضرورت ہے۔ بقول شاعر:

چشمِ اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری ہے ابھی محفلِ ہستی کو ضرورت تیری

لیکن افسوس صد افسوس آج مسلمان عمل سے بے گانہ ہوگئے ہیں۔ تہذیبِ مغرب کا شکار ہو کر دین سے بے گانہ ہوگئے ہیں۔

؎ تیرا وجود سراپا تجلیٔ افرنگ کہ تو وہاں کے عمارت گروں کی ہے تعمیر

چناں چہ علامہ اقبالؒ موجودہ دور کے پستیوں میں گرے ہوئے مسلمانوں میں قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی صفات کے متمنی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اے مسلمان تو اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کا نائب ہے۔ تجھ پر بہت بڑی اور اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور وہ یہ کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد کسی نبی نے نہیں آنا اس لیے نبیوں والا کام اللہ نے تیرے ذمہ لگایا ہے۔ اس کے لیے علامہ اقبالؒ نے مے خانہ کے لوازمات استعمال کیے ہیں۔ جس طرح ساقی شرابیوں کی پیاس بجھاتا ہے۔ اسی طرح اے مسلمان تو بھی دنیا کے غیر مسلموں کو توحید و معرفت کی شراب پلا کر پیاس بجھا دے۔ مسلمان افضل اور خیرِ اُمت ہے۔ اللہ نے اسے بے پناہ اوصاف اور خوبیاں عطا کی ہیں۔ ان خوبیوں کو بروئے کار لاتے ہوئے دنیا کے لیے نمونہ اور مثال بنے۔

علامہ اقبال نے شرابی اور شراب کا حوالہ اس لیے دیا ہے کہ شرابی شراب سے بے پناہ عشق کرتا ہے۔ شرابی اپنے والدین، بیوی بچوں اور تمام رشتوں سے زیادہ شراب کو اہمیت دیتا ہے۔ علامہ اقبال کی بھی خواہش ہے کہ مسلمان بھی شعائر اسلام سے ایسے ہی عشق کرے اور اپنے منصب کو پہچانے۔

(5) شعلہ بن کر پھونک دے خاشاکِ غیر اللہ کو　　خوفِ باطل کیا کہ ہے غارت گرِ باطل بھی تو

(لاہور 11، گوجرانوالہ 07، بہاولپور 06، سرگودھا 2012ء)

لغت:
خاشاک: کوڑا کرکٹ　　غیر اللہ: اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے
خاشاکِ غیر اللہ: اللہ کے سوا سب کچھ　　غارت گر: تباہ کرنے والا

مفہوم: اے مسلمان تو باطل قوتوں کو آگ کی طرح نیست و نابود کر دے۔ باطل سے تجھے ہرگز خوف نہ کھانا چاہیے کیوں کہ تو باطل کو ختم کرنے کا اہل ہے۔

تشریح:

توضیح طلب شعر میں علامہ محمد اقبال واضح طور پر مسلمانوں کو باطل قوتوں کے استیصال کی ترغیب دے رہے ہیں۔ خاشاک کوڑے کرکٹ اور تمام رکاوٹیں ہیں جو راہ حق میں حائل ہوتی ہیں۔ علامہ محمد اقبال کہتے ہیں کہ ایسی قوتوں کا ایسے خاتمہ کر دو کہ جیسے آگ کوڑے کرکٹ کو خاکستر کر دیتی ہے۔ جیسے سیلاب راستے میں آنے والی ہر رکاوٹ کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے جاتا ہے۔ باطل پیغام بھی راہ حق میں رکاوٹ بننے والے ہر کسی کو یا تو اپنے آنگن میں سمیٹ لو یعنی اسلام کے سایۂ عاطفت میں پناہ دو یا پھر ایسے زندگی کی گردن سے آزاد کر دو۔ جو لوگ خدا کی یکتائی کے منکر ہیں جب کہ خدا ازلی و ابدی یکتا و تنہا ہے۔ بقول علامہ محمد اقبال:

- سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے　　حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری

اور مسلمان کے لیے صرف خدا ہی کی ذات قابل عبادت ہے ماسوا تمام اشیا کے لیے آگ ہیں آگ۔

- ماسوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری　　تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری

علامہ اقبال کہتے ہیں کہ تمھیں باطلوں سے خوف کھانے کی ضرورت نہیں۔ کفار سے ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں اور شکست و ہزیمت کھانے کی تمھاری عادت نہیں کیوں کہ تاریخ گواہ ہے کہ:

- باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم　　سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

ہماری تاریخ ایسی کئی مثالیں پیش کر سکتی ہے۔ سلطان الپ ارسلان نے پندرہ ہزار مجاہدین کے ساتھ چھ لاکھ صلیبیوں کو ناکوں چنے چبوائے تھے۔ سلطان صلاح الدین نے چالیس ہزار لشکر کے ساتھ متحدہ یورپ کے 7 لاکھ لشکر کو ایسی عبرت ناک شکست دی کہ یہ لوگ آج تک سلطان کا نام سن کر لرز اٹھتے ہیں۔ حضرت خالد بن ولید نے لاکھوں رومیوں کے نرغے سے ہزاروں مسلمانوں کو بچایا تھا۔ طارق بن زیاد نے 8 ہزار فوج کے ساتھ ایک لاکھ راڈرک کے لشکر کو ناکوں چنے چبوا دیے تھے۔ امام شامل جنگی میں مشہور ہوئے تھے جنھوں نے روس کو تہس نہس کر دیا تھا۔ یاد رہے کہ مسلمانوں نے 500 سواروں کے ساتھ فتح حاصل کی۔ حضرت مثنیٰ بن حارثہ شیبانی کی قیادت میں ایران کے لشکر جرار پر حملہ کیا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب ایرانیوں کا رعب و دبدبہ ہر طرف تھا۔ کسریٰ نے اس فوج کو کوئی اہمیت نہ دی لیکن 500 کے ساتھ جو ہزار لاکھوں قیدیوں میں سے ایک قیدی بھی نہ لا سکا۔ لیکن ہم نے دیکھا کہ عظمت کے ان پرچم برداروں نے خاک میں ملا دیا۔ بقول علامہ اقبال:

ے
شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہاں داروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

علامہ اقبالؒ اسی حقیقت سے نوجوان کو آشنا کرا رہے ہیں کہ تری حیثیت باطل کے لیے موت کی سی ہے لہٰذا تمھیں ہرگز بھی خوف نہیں کھانا چاہیے۔

(7)
بے خبر! تو جوہرِ آئینہ ایام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

(گوجرانوالہ 2007)

حل لغت: بے خبر: غافل　جوہر: نچوڑ　آئینہ ایام: وقت کا آئینہ

مفہوم: اے نادان تو تو زمانے کی رونق ہے۔ تو زمانے میں خدا کا آخری پیام ہے۔

تشریح:

تشریح طلب شعر میں شاعر مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے بے خبر مسلماں تو اپنی حیثیت سے غافل ہے تو اپنی اصلیت کو بھول بیٹھا ہے۔ بے خبر اپنی اصلیت سے آگاہ ہو کہ:

ے
تو رازِ کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا رازداں ہو جا، خدا کا ترجماں ہو جا

علامہ اقبالؒ نے دنیا کو آئینہ ایام کہا ہے اور اہلِ ایمان اس آئینہ کا جوہر ہیں۔ اس عالمی آئینے کی چمک ہیں۔ اس آفاق کی جلا ہیں۔ جس طرح چمک اور جلا کے بغیر ایک آئینہ بے کار ہوتا ہے۔ اسی طرح اے بے خبر اور ناآشنا مسلماں یہ کائنات تیرے بغیر ادھوری ہے۔ تیرے بغیر اس کائنات کی وہی حیثیت ہے جو شیشے کی جلا کے بغیر ہوتی ہے۔ گویا ہر شے کو مسلمان کے دم قدم سے ثبات ہے۔ کائنات کا وجود مسلمانوں ہی کے دم سے قائم ہے۔ کائنات کا نظام مسلمانوں ہی کے نفوس سے رواں دواں ہے۔

اللہ تعالیٰ بھی قیامت اُس وقت برپا کرے گا جب دنیا میں ایک بھی اللہ تعالیٰ کا نام لیوا مسلمان نہیں ہوگا۔ گویا کہ مومنوں کا اختتام کائنات کا اختتام ہے۔ یہ وہ روز ہوگا جب سیارے ٹکرائیں گے۔ سورج سوا نیزے پر ہوگا۔ درحقیقت اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان کائنات میں اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے۔ بقولِ اقبالؒ:

ے
مکاں فانی، مکیں آنی، ازل تیرا، ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تو جاوداں تو ہے

کیوں کہ امت محمدی ﷺ خدا کی آخری امت ہے۔ ظاہر ہے اگر یہی امت ختم ہو جائے گی تو پھر کائنات خدا کی تسبیح سے خالی ہو جائے گی اور پھر اس دنیا کا رہنا محال ہوگا کیوں کہ اس دنیا پر قیامت نہ آنے کی وجہ فقط امت محمدی ﷺ کی موجودگی ہے۔

دوسرے لفظوں میں علامہ محمد اقبالؒ مسلمانوں کو ترغیب دے رہے ہیں کہ باطل کے خلاف برسرِ پیکار ہو جاؤ کیوں کہ یہ تمھارا خام خیال ہے کہ کثرتِ باطل تمھیں نیست و نابود کر دے گی۔ درحقیقت دنیا سے مسلمانوں کا وجود ختم ہی نہیں ہو سکتا یہ اس وقت ختم ہوگا جب کائنات ختم ہوگی۔

مشقی سوالات (خطاب بہ جوانانِ اسلام + پیغام)

سوال 1　علامہ محمد اقبالؒ کی نظموں کے متن کو مدِ نظر رکھتے ہوئے درست جواب کے گرد دائرہ لگائیں۔

(i) علامہ محمد اقبالؒ نے ''خطاب بہ نوجوانانِ اسلام'' کے پہلے شعر میں مسلم نوجوان سے کیا کہا ہے؟
✓ (الف) تدبر بھی کیا تو نے؟　(ب) تصور بھی کیا تو نے؟　(ج) ارادہ بھی کیا تو نے؟　(د) تحیر بھی کیا تو نے؟

(ii) مسلم نوجوان کو کس قوم نے آغوشِ محبت میں پالا ہے؟
(الف) جس نے شہنشاہ روم کو شکست دی
(ب) جس نے قیصر و کسریٰ پر فتح پائی

(ج) جس نے آدھی دنیا پر حکومت کی ✓ (د) جس نے تاجِ سر دارا کچل ڈالا

(iii) ''منعم'' کے لغوی معنی ہیں۔

(الف) دولت مند سخی (ب) انعام واکرام (ج) انعام پانے والا (د) سخی بادشاہ ✓

سوال 2 ''خطاب بہ جوانانِ اسلام'' میں آنے والی تلمیحات کی مختصر تشریح کریں جو تین سطروں سے زیادہ نہ ہو۔

(i) **تاجِ سرِ دارا:**

دارا کے سر کا تاج۔ یہاں مراد ہے ایرانی استبداد۔ دورِ نبوی ﷺ میں ایران کے فتوحات کے سیلاب کی لہریں قسطنطنیہ کو چھو رہی تھیں۔ لیکن قرآن نے فیصلہ دیا کہ ''غلبت الروم'' روم کو غلبہ حاصل ہوگا۔ اور وہی ہوا کہ ہرقل نے قسطنطنیہ سے نکل کر ایران کا غرور خاک میں ملا دیا۔ حضور نے کسریٰ خسرو پرویز کو دعوت اسلام دی لیکن اس گستاخ نے حضور ﷺ کا نامہ مبارک پھاڑ ڈالا۔ اور پھر چشم فلک نے انجام دیکھا کہ شیرویہ ابن خسرو پرویز نے اپنے باپ اور چھبیس بھائیوں کو تخت پر بٹھا کر قتل کر دیا۔ بہر صورت حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''کسریٰ کے خزانے فتح ہو کر مدینہ آئیں گے اور حضرت ابو بکرؓ کے دور میں کذابوں کی تسخیر کے بعد مثنیٰؓ بن حارثہ شیبانی نے 500 سواروں کے ساتھ ایران کی سرحد پر حملہ کیا۔ بویب اور قادسیہ کے فیصلہ کن معرکوں کے بعد ایران فتح ہوا اور ''یزدگرد''، آخری کسریٰ بھاگ کھڑا ہوا۔ اقبال نے شعر میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

(ii) **الفقر وفخری**

یہ ایک حدیث ''الفقر وفخری والفقر ''منی'' کا قطعہ ہے یعنی ''مجھے فقر پر فخر ہے اور فقر مجھ سے ہے''۔ حضور ﷺ شہنشاہِ کائنات ہونے کے باوجود پیٹ مقدس پر دو دو پتھر باندھتے تھے۔ بقول عائشہ صدیقہؓ گھر میں کئی کئی روز چولھا نہ جلتا تھا۔ آپ ﷺ کئی کئی روزے لگاتار رکھتے یعنی بغیر سحری اور افطاری کے۔ فقر آپ ﷺ کا طرۂ امتیاز تھا۔ اوڑھنا بچھونا، گھر بار، کھانا پینا، رہن سہن ہمہ شے فقر کی آئینہ دار تھی۔

سوال 3 خطاب بہ جوانانِ اسلام کے شامل نصاب نویں اور دسویں شعر کی تشریح کیجیے اور ''پیغام'' کے چھٹے شعر کی تشریح کیجیے۔

جواب دیکھیے تشریح اشعار۔

سوال 4 ''خطاب بہ جوانانِ اسلام'' اور ''پیغام'' کا مرکزی خیال لکھیں۔

جواب **خطاب بہ جوانانِ اسلام کا مرکزی خیال:**

قرونِ اولیٰ کے مسلمان اعلیٰ اوصاف کے حامل تھے جن سے پہلو تہی کر کے آج مسلمان شکارِ زوال ہیں اور اغیار نے اُن کے علمی خزائن لوٹ کر عروج حاصل کیا۔

پیغام کا مرکزی خیال:

مسلمان کو اپنی حقیقت سے آشنا ہونا چاہیے کہ وہ کامل ہے اور خدا کا ابدی ولافانی پیغام ہے۔

سوال 5 مندرجہ ذیل الفاظ وتراکیب کے مفہوم کی وضاحت کریں۔

تدبر	غور وخوض کرنا، سوچ بچار کرنا
تاجِ سرِ دارا	ایران کے شہنشاہ دارا کا تاج یہاں مراد ہے ایرانی استبداد
منعم	دولت مند سخی
حکومت کا کیا رونا	حکومت کے چھن جانے کا زیادہ تاسف نہیں
اندیشۂ طوفاں	طوفان کا خوف
آئینِ مسلّم	دنیا کا مانا ہوا قاعدہ، تسلیم شدہ قانون
سیپارہ	تیس (۳۰) ٹکڑے مراد پاش پاش ہونا / بہت غم زدہ ہونا